رسالہ

معیار المذاہب

فطرتی معیار سے مذاہب کا مقابلہ

از تصنیف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

رسالہ معیار المذاہب

فطرتی معیار سے مذاہب کا مقابلہ

اور گورنمنٹ انگریزی کے احسان کا کچھ تذکرہ

میرے خیال میں مذاہب کے پرکھنے اور جانچنے اور کھرے کھوٹے میں تمیز کرنے کے لئے اس سے بہتر کسی ملک کے باشندوں کو موقعہ ملنا ممکن نہیں۔ جو ہمارے ملک پنجاب اور ہندوستان کو ملا ہے۔ اس موقع کے حصول کے لئے پہلا فضل خدا تعالیٰ کا گورنمنٹ برطانیہ کا ہمارے اس ملک پر تسلط ہے۔ ہم نہایت ہی ناسپاس اور منکر نعمت ٹھہریں گے۔ اگر ہم سچے دل سے اس محسن گورنمنٹ کا شکر نہ کریں جس کے بابرکت وجود سے ہمیں **دعوت اور تبلیغ اسلام** کا وہ موقعہ ملا جو ہم سے پہلے کسی بادشاہ کو بھی نہ مل سکا کیونکہ اس علم دوست گورنمنٹ نے اظہار رائے میں وہ **آزادی** دی ہے جس کی نظیر اگر کسی اور موجودہ عملداری میں تلاش کرنا چاہیں۔ تو لاحاصل ہے کیا یہ عجیب بات نہیں کہ ہم **لنڈن** کے بازاروں میں

دین اسلام کی تائید کے لئے وہ وعظ کر سکتے ہیں جس کا خاص مکہ معظمہ میں میسر آنا ہمارے لئے غیر ممکن ہے۔ اور اس گورنمنٹ نے نہ صرف اشاعت کتب اور اشاعت مذہب میں ہر یک قوم کو آزادی دی۔ بلکہ خود بھی ہر یک فرقہ کو بذریعہ اشاعت علوم وفنون کے مدد دی اور تعلیم اور تربیت سے ایک دنیا کی آنکھیں کھول دیں۔ پس اگرچہ اس محسن گورنمنٹ کا یہ احسان بھی کچھ تھوڑا نہیں کہ وہ ہمارے مال اور آبرو اور خون کی جہاں تک طاقت ہے سچے دل سے محافظت کر رہی ہے۔ اور ہمیں اس آزادی سے فائدہ پہنچا رہی ہے جس کے لئے ہم سے پہلے بہتیرے نوع انسان کے سچے ہمدرد ترستے گذر گئے۔ لیکن یہ دوسرا احسان گورنمنٹ کا اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ کہ وہ جنگلی وحشیوں اور نام کے انسانوں کو انواع و اقسام کی تعلیم کے ذریعہ سے اہل علم و عقل بنانا چاہتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس گورنمنٹ کی متواتر کوششوں سے وہ لوگ جو قریب قریب موشی اور چارپایوں کے تھے کچھ کچھ حصہ انسانیت اور فہم و فراست کا لے چکے ہیں۔ اور اکثر دلوں اور دماغوں میں ایک ایسی روشنی پیدا ہو گئی ہے۔ جو علوم کے حصول کے بعد پیدا ہوا کرتی ہے۔ معلومات کی وسعت نے گویا یک دفعہ دنیا کو بدل دیا ہے لیکن جس طرح شیشے میں سے روشنی تو اندر گھر کے آسکتی ہے۔ مگر پانی نہیں آسکتا۔ اسی طرح علمی روشنی تو دلوں اور دماغوں میں آگئی ہے۔ مگر ہنوز وہ مصفا پانی اخلاص اور روبحق ہونے کا اندر نہیں آیا جس سے روح کا پودہ نشوونما پاتا۔ اور اچھا پھل لاتا۔ لیکن یہ گورنمنٹ کا قصور نہیں ہے بلکہ ابھی ایسے اسباب مفقود یا قلیل الوجود ہیں جو سچی روحانیت کو جوش میں لاویں۔ یہ عجیب بات ہے کہ علمی ترقی سے مکر اور فریب کی بھی کچھ ترقی معلوم ہوتی ہے۔ اور اہل حق کو

کو ناقابلِ برداشت وساوس کا سامنا ہے۔ ایمانی سادگی بہت گھٹ گئی ہے اور فلسفیانہ خیالات نے جن کے ساتھ دینی معلومات ہمقدم نہیں ہیں۔ ایک زہریلا اثر نو تعلیم یافتہ لوگوں پر ڈال رکھا ہے۔ جو دہریّت کی طرف کھینچ رہا ہے۔ اور واقعی نہایت مشکل ہے کہ اس اثر سے بغیر حمایت دینی تعلیم کے لوگ بچ سکیں پس وائے برحال اس شخص کے جو ایسے مدرسوں اور کالجوں میں اس حالت میں چھوڑا گیا ہے۔ جبکہ اس کو دینی معارف اور حقائق سے کچھ بھی خبر نہیں۔ ہاں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عالی ہمت گورنمنٹ نے جو نوع انسان کی ہمدرد ہے۔ اس ملک کے دلوں کی زمین کو جو ایک بنجر پڑا ہوا تھا۔ اپنے ہاتھ کی کوششوں سے جنگلی درختوں اور جھاڑیوں اور مختلف اقسام کے گھاس سے جو بہت اونچے اور فراہم ہو کر زمین کو ڈھک رہے تھے پاک کر دیا ہے اور اب قدرتی طور پر وہ وقت آ گیا ہے۔ جو سچائی کا بیج اس زمین میں بویا جائے۔ اور پھر آسمانی پانی سے آبپاشی ہو پس وہ لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہیں جو اس مبارک گورنمنٹ کے ذریعہ سے آسمانی بارش کے قریب پہنچ گئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس گورنمنٹ کے وجود کو خدا تعالیٰ کا فضل سمجھیں۔ اور اس کی سچی اطاعت کے لئے ایسی کوشش کریں کہ دوسروں کے لئے نمونہ ہو جائیں۔ کیا احسان کا عوض احسان نہیں۔ کیا نیکی کے بدلہ نیکی کرنا لازم نہیں۔ سو چاہیئے کہ ہر یک شخص سوچ لے۔ اور اپنا نیک جوہر دکھلاوے۔ اسلامی شریعت کسی کے حق اور احسان کو ضائع کرنا نہیں چاہتی۔ پس نہ منافقانہ طور پر بلکہ دل کی سچائی سے اس محسن گورنمنٹ سے اطاعت کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ کیونکہ ہمارے دین کی روشنی پھیلانے کے لئے پہلی تقریب خدا

تعالیٰ نے یہی قائم کی ہے۔

پھر دوسرا ذریعہ جو مذاہب کے شناخت کرنے کا ہمارے ملک میں پیدا ہو گیا۔ چھاپے خانوں کی کثرت ہے۔ کیونکہ ایسی کتابیں جو گویا زمین میں دفن تھیں۔ ان چھاپہ خانوں کے ذریعہ سے گویا پھر زندہ ہو گئیں یہاں تک کہ ہندوؤں کا وید بھی نئے اوراق کا لباس پہن کر نکل آیا۔ گویا نیا جنم لیا۔ اور حمقا اور عوام کی بنائی ہوئی کہانیوں کی پردہ دری ہو گئی۔

تیسرا ذریعہ راہوں کا کھلنا اور ڈاک کا حسن انتظام اور دُور دُور ملکوں سے کتابوں کا اس ملک میں آجانا اور اس ملک سے ان ملکوں میں جانا یہ سب وسائل تحقیق حق کے ہیں۔ جو خدا کے فضل نے ہمارے ملک میں موجود کر دیئے جن سے ہم پوری آزادی کے ذریعہ سے فائدہ اٹھا رہے ہیں یہ سب فوائد اس محسن اور نیک نیت گورنمنٹ کے ذریعہ ہمیں ملے ہیں جس کے لئے بے اختیار ہمارے دل سے دعا نکلتی ہے۔ لیکن اگر یہ سوال ہو کہ پھر ایسی مہذب اور دانا گورنمنٹ ایسے مذہب سے کیوں تعلق رکھتی ہے۔ جس میں انسان کو خدا بنا کر سچے خدا کے بدیہی اور قدیم اور غیر متغیر جلال کی کسر شان کی جاتی ہے۔ تو افسوس کہ اس سوال کا جواب بجز اس کے کچھ نہیں کہ سلاطین اور ملوک کو جو ملک داری کا خیال واجبی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ لہذا تدبر اور تفکر کی تمام قوتیں اسی میں خرچ ہو جاتی ہیں۔ اور قومی حمایت کی مصلحت آخرت کے امور کی طرف سر اٹھانے نہیں دیتی۔ اور اسی طرح ایک مسلسل اور غیر منقطع دنیوی مطالب کے نیچے دب کر خدا شناسی اور حق جوئی کی رُوح کم ہو جاتی ہے اور بااین ہمہ خدا تعالیٰ کے فضل سے نومیدی نہیں کہ وہ اس باہمت گورنمنٹ کو صراط مستقیم

کی طرف توجہ دلادے۔ہماری دُعا جیسا کہ اس گورنمنٹ کی دنیوی بھلائی کے لئے ہے۔ایسا ہی آخرت کے لئے بھی ہے پس کیا تعجب ہے کہ دعا کا اثر ہم بھی دیکھ لیں

اس زمانہ میں جبکہ حق اور باطل کے معلوم کرنے کے لئے بہت سے وسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ہمارے ملک میں تین بڑے مذہب بالمقابل کھڑے ہوکر ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہیں۔ان مذاہب ثلثہ میں سے ہر یک صاحب مذہب کو دعویٰ ہے کہ میرا ہی مذہب حق اور درست ہے اور تعجب کہ کسی کی زبان بھی اس بات کے انکار کی طرف مائل نہیں ہوتی۔کہ اس کا مذہب سچائی کے اصولوں پر مبنی نہیں لیکن میں اس امر کو باور نہیں کر سکتا کہ جیسا کہ ہمارے مخالفوں کی زبانوں کا دعویٰ ہے۔ایسا ہی ایک سیکنڈ کے لئے ان کے دل بھی ان کی زبانوں سے اتفاق کر سکتے ہیں۔سچے مذہب کی یہ ایک بڑی نشانی ہے کہ قبل اس کے جو ہم اس کی سچائی کے دلائل بیان کریں۔خود وہ اپنی ذات میں ہی ایسا روشن اور درخشاں ہوتا ہے کہ اگر دوسرے مذاہب اس کے مقابل پر رکھے جائیں۔تو وہ سب تاریکی میں پڑے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اور اس دلیل کو اس وقت ایک دانشمند انسان صفائی سے سمجھ سکتا ہے۔جبکہ ہر یک مذہب کو اس کے دلائل مخترعہ سے علیحدہ کر کے صرف اس کے اصل الاصول پر نظر کرے۔یعنی ان مذاہب کے طریق خداشناسی کو فقط ایک دوسرے کے مقابل پر رکھ کر جانچے اور کسی مذہب کے عقیدہ خداشناسی پر بیرونی دلائل کا حاشیہ نہ چڑھا دے بلکہ مجرد عن الدلائل کر کے اور ایک مذہب کو دوسرے مذہب کے مقابل پر رکھ کر پرکھے اور سوچے۔کہ کس مذہب میں ذاتی سچائی کی چمک پائی

جاتی ہے۔ اور کس میں یہ خاصیت ہے کہ فقط اس کے طریق خداشناسی پر ہی نظر ڈالنا دلوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ مثلاً وہ تین مذہب جن کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں۔ یہ ہیں۔ آریہ[1]۔ عیسائی[2]۔ اسلام[3]۔ اگر ہم ان تینوں کی اصل تصویر دکھلانا چاہیں تو تفصیل ذیل ہے:۔

آریہ مذہب کا ایک ایسا خدا ہے۔ جس کی خدائی کا اپنی ذاتی قوت اور قدرت پر چلنا غیر ممکن ہے۔ اور اس کی تمام امیدیں ایسے وجودوں پر لگی ہوئی ہیں۔ جو اس کے ہاتھ سے پیدا نہیں ہوئے۔ حقیقی خدا کی قدرتوں کا انتہا معلوم کرنا انسان کا کام نہیں مگر آریوں کے پرمیشر کی قدرت انگلیوں پر گن سکتے ہیں۔ وہ ایک ایسا کم سرمایہ پرمیشر ہے کہ اس کی تمام قدرتوں کی حد معلوم ہو چکی ہے۔ اور اگر اس کی قدرتوں کی بہت ہی تعریف کی جائے تو اس سے بڑھ کر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے جیسی قدیم چیزوں کو معماروں کی طرح جوڑنا جانتا ہے اور اگر یہ سوال ہو کہ اپنے گھر سے کون کسی چیز ڈالتا ہے تو نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کچھ نہیں۔ غرض اس کی طاقت کا انتہائی مرتبہ صرف اس حد تک ہے کہ موجودہ روحوں اور اجسام صغار کو جو قدیم اور اس کے وجود کی طرح انادی اور واجب الوجود ہیں جن کی پیدائش پر اس کے وجود کا کچھ بھی اثر نہیں باہم پیوند کر دیتا ہے لیکن اس بات پر دلیل قائم ہونا مشکل ہے کہ کیوں ان قدیم چیزوں کو ایسے پرمیشر کی حاجت ہے۔ جبکہ کل چیزیں خود بخود ہیں۔ ان کے تمام قویٰ بھی خود بخود ہیں۔ اور ان میں باہم ملنے کی استعداد بھی خود بخود ہے اور ان میں قوت جذب اور کشش بھی قدیم سے ہے۔ اور ان کے تمام خواص جو ترکیب کے بعد بھی ظاہر ہوتے ہیں خود بخود ہیں۔ تو پھر سمجھ نہیں آتا کہ کس دلیل سے اس ناقص اور ناطاقت پرمیشر کی ضرورت ثابت ہوتی ہے اور اس میں

اور اس کے غیر میں مابہ الامتیاز بجز زیادہ ہوشیار اور ذہین ہونے کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس میں کیا شک ہے کہ آریوں کا پرمیشر اُن بے انتہا قدرتوں سے ناکام ہے۔ جو الوہیت کے کمال کے متعلق ہیں۔ اور یہ اس فرضی پرمیشر کی بد قسمتی ہے کہ اس کو وہ کمال تام میسر نہ ہو سکا۔ جو الوہیت کا پورا جلال چمکنے کے لئے ضروری ہے۔ اور دوسری بد نصیبی یہ ہے کہ بجز چند ورق وید کے قانون قدرت کی رُو سے اس کے شناخت کرنے کی کوئی بھی راہ نہیں کیونکہ اگر یہی بات صحیح ہے کہ ارواح اور ذرات اجسام معہ اپنی تمام قوتوں اور کششوں اور خاصیتوں اور عقلوں اور راحوں اور شعوروں کے خود بخود ہیں تو پھر ایک عقل سلیم ان چیزوں کے جوڑنے کے لئے کسی دوسرے شخص کی ضرورت نہیں سمجھتی۔ وجہ یہ کہ اس صورت میں اس سوال کا جواب دینا امکان سے خارج ہے کہ جو چیزیں اپنے وجود کی قدیم سے آپ ہی خدا ہیں۔ اور اپنے اندر وہ تمام قوتیں بھی رکھتی ہیں۔ جو ان کے باہم جوڑنے کے لئے ضروری ہیں۔ تو پھر جس حالت میں ان کو اپنے وجود کے لئے پرمیشر کی حاجت نہیں ہوئی اور اپنی قوتوں اور خاصیتوں میں کسی بنانے والے کی محتاج نہیں ٹھہریں۔ تو پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو باہم تعلق کے لئے کسی دوسرے جوڑنے والے کی حاجت پڑ گئی حالانکہ روحوں کے ساتھ ان کے قویٰ کا جوڑنا اور ذرات اجسام کے ساتھ ان کی قوتوں کا جوڑنا یہ بھی ایک جوڑنے کی قسم ہے پس اس سے تو یہ ثابت ہو گیا کہ ان قدیم چیزوں کو جیسا کہ اپنے وجود کے لئے کسی خالق کی ضرورت نہیں اور اپنی قوتوں کے لئے کسی موجد کی حاجت نہیں۔ ایسا ہی باہم جوڑ پیدا ہونے کے لئے کسی صانع کی حاجت نہیں اور یہ نہایت بے وقوفی ہوگی کہ جب اوّل خود اپنی ہی زبان سے ان چیزوں کی نسبت مان لیں کہ وہ اپنے وجود اور اپنی

قوتوں اور اپنے باہم جوڑ کے لئے دوسرے کے محتاج نہیں تو پھر اُسی منہ سے یہ بھی کہیں کہ بعض چیزوں کے جوڑنے کے لئے ضرور کسی دوسرے کی حاجت ہے۔ پس یہ تو ایک دعویٰ ہو گا جس کے ساتھ کوئی دلیل نہیں۔ غرض اس عقیدہ کی رو سے پرمیشر کا وجود ہی ثابت کرنا مشکل ہو گا۔ سو اس انسان سے زیادہ کوئی بدقسمت نہیں جو ایسے پرمیشر پر بھروسہ رکھتا ہے جس کو اپنا وجود ثابت کرنے کے لئے بھی بباعث کمی قدرت کے کوئی عمدہ اسباب میسر نہیں آسکے۔ یہ تو ہندوؤں کے پرمیشر میں خدائی کی طاقتیں علم ہیں۔ اور اخلاقی طاقتوں کا یہ حال ہے کہ وہ انسانوں کی طاقتوں سے بھی کچھ گری ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ایک نیک دل انسان بارہا ایسے قصورواروں کے قصور بخش دیتا ہے جو عجز اور نیاز کے ساتھ اس سے معافی چاہتے ہیں۔ اور بارہا اپنے کرم نفس کی خاصیت سے ایسے لوگوں پر احسان کرتا ہے جن کا کچھ بھی حق نہیں ہوتا لیکن آریہ لوگ اپنے پرمیشر کی نسبت یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ ان دونوں قسموں کے خلقوں سے بھی بے نصیب ہے۔ اور ان کے نزدیک ہر یک گناہ کروڑہا جونوں کا موجب ہے۔ اور جب تک کوئی گنہگار بے انتہا جونوں میں پڑ کر پوری سزا نہ پا لے تب تک کوئی صورت مخلصی نہیں اور ان کے عقیدہ کی رُو سے یہ امید بالکل بے سود ہے۔ کہ انسان کی توبہ اور پشیمانی اور استغفار اس کے دوسرے جنم میں پڑنے سے روک دے گی یا حق کی طرف رجوع کرنا گذشتہ ناحق کے اقوال و اعمال کی سزا سے اُسے بچا لے گا بلکہ بے شمار جونوں کا بھگتنا ضروری ہے۔ جو کسی طرح ٹل نہیں سکتا۔ اور کرم اور جود کے طور پر کچھ بخشش کرنا تو پرمیشر کی عادت ہی نہیں۔ جو کچھ انسان یا حیوان کوئی عمدہ حالت رکھتا ہے یا کوئی نعمت پاتا ہے،

وہ کسی پہلی جون کا پھل ہے۔ مگر افسوس کہ باوجودیکہ آریوں کو وید کے اصولوں پر بہت ہی ناز ہے۔ مگر پھر بھی یہ ویدکی باطل تعلیم ان کی انسانی کانشنس کو مغلوب نہیں کر سکی۔ اور مجھے ان ملاقاتوں کی وجہ سے جو اکثر اس فرقہ کے بعض لوگوں سے ہوتی ہیں۔ یہ بات بارہا تجربہ میں آچکی ہے۔ کہ جس طرح نیوگ کے ذکر کے وقت ایک ندامت آریوں کو دامنگیر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح وہ نہایت ہی ندامت زدہ ہوتے ہیں جبکہ ان سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ پرمیشر کی قدرتی اور اخلاقی طاقتیں کیوں ایسی محدود ہو گئیں جن کی شامت سے اس کی خدائی بھی عند العقل ثابت نہیں ہو سکتی۔ اور جس کی وجہ سے بدنصیب آریہ دائمی نجات پانے سے محروم ہے۔ غرض ہندوؤں کے پرمیشر کی حقیقت اور ماہیت یہی ہے کہ وہ اخلاقی اور الوہیت کی طاقتوں میں نہایت کمزور اور قابل رحم ہے اور شاید یہی سبب ہے کہ ویدوں میں پرمیشر کی پرستش چھوڑ کر اگنی اور وایو اور چاند اور سورج اور پانی کی پرستش پر زور ڈالا گیا ہے اور ہر یک عطا اور بخشش کا سوال ان سے کیا گیا ہے۔ کیونکہ جب کہ پرمیشر آریوں کو کسی منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ بلکہ خود پوری قدرتوں سے محروم رہ کر نامرادی کی حالت میں زندگی بسر کرتا ہے۔ تو پھر دوسرے کا اس پر بھروسہ کرنا صریح غلطی ہے۔ ہندوؤں کے پرمیشر کی کامل تصویر آنکھوں کے سامنے لانے کے لئے اسی قدر کافی ہے جو ہم لکھ چکے ؂

اب دوسرا مذہب یعنی عیسائی باقی ہے جس کے حامی نہایت زور شور سے اپنے خدا کو جس کا نام انہوں نے یسوع مسیح رکھا ہوا ہے۔ بڑے مبالغہ سے سچا خدا سمجھتے ہیں۔ اور عیسائیوں کے خدا کا حلیہ یہ ہے کہ وہ ایک اسرائیلی آدمی مریم بنت یعقوب کا بیٹا ہے جو ۳۲ برس کی عمر پا کر اس دار الفنا سے گذر گیا

جب ہم سوچتے ہیں کہ کیونکر وہ گرفتار ہونے کے وقت ساری رات دعا کر کے پھر بھی اپنے مطلب سے نامراد رہا اور ذلّت کے ساتھ پکڑا گیا۔ اور بقول عیسائیوں کے سولی پر کھینچا گیا۔ اور ایلی ایلی کرتا مرگیا تو ہمیں یک دفعہ بدن پر لرزہ پڑتا ہے۔ کہ کیا ایسے انسان کو جس کی دعا بھی جناب الٰہی میں قبول نہ ہو سکی اور نہایت ناکامی اور نامرادی سے ماریں کھاتا کھاتا مرگیا۔ قادر خدا کہہ سکتے ہیں۔ ذرا اس وقت کے نظارہ کو آنکھوں کے سامنے لاؤ۔ جب کہ یسوع مسیح حوالات میں ہو کر پلاطوس کی عدالت سے ہیرودوس کی طرف بھیجا گیا کیا یہ خدائی کی نشان ہے کہ حوالات میں ہو کر ہتھکڑی ہاتھ میں زنجیر پیروں میں چند سپاہیوں کی حراست میں چالان ہو کر جھڑکیاں کھاتا ہوا گلیل کی طرف روانہ ہوا۔ اور اس حالت پر ملالت میں ایک حوالات سے دوسری حوالات میں پہنچا۔ پلاطوس نے کرامت دیکھنے پر چھوڑنا چاہا۔ اس وقت کوئی کرامت دکھلا نہ سکا۔ ناچار پھر حراست میں واپس کر کے یہودیوں کے حوالہ کیا گیا۔ اور انہوں نے ایک دم میں اس کی جان کا قصہ تمام کر دیا۔

اب ناظرین خود سوچ لیں کہ کیا اصلی اور حقیقی خدا کی یہی علامتیں ہوا کرتی ہیں۔ کیا کوئی پاک کانشنس اس بات کو قبول کر سکتا ہے کہ وہ جو زمین و آسمان کا خالق اور بے انتہا قدرتوں اور طاقتوں کا مالک ہے۔ وہ اخیر پر ایسا بدنصیب اور کمزور اور ذلیل حالت میں ہو جائے کہ شریر انسان اُس کو اپنے ہاتھوں میں مل ڈالیں۔ اگر کوئی ایسے خدا کو پوجے اور اس پر بھروسہ کرے تو اسے اختیار ہے لیکن سچ تو یہ ہے کہ اگر آریوں کے پرمیشر کے مقابل پر بھی عیسائیوں کے خدا کو کھڑا کر کے اس کی

طاقت اور قدرت کو وزن کیا جائے۔ تب بھی اس کے مقابل پر یہ ہیچ محض ہے کیونکہ آریوں کا فرضی پرمیشر اگرچہ پیدا کرنے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتا لیکن کہتے ہیں کہ پیدا شدہ چیزوں کو کسی قدر جوڑ سکتا ہے۔ مگر عیسائیوں کے یسوع میں تو اتنی بھی طاقت ثابت نہ ہوئی جس وقت یہودیوں نے صلیب پر کھینچ کر کہا تھا کہ اگر تو اب اپنے آپ کو بچائے تو ہم تیرے پر ایمان لاویں گے۔ تو وہ ان کے سامنے اپنے تئیں بچا نہ سکا۔ ورنہ اپنے تئیں بچانا کیا کچھ بڑا کام تھا۔ صرف اپنی روح کو اپنے جسم کے ساتھ جوڑنا تھا۔ سو اس کمزور کو جوڑنے کی بھی طاقت نہ ہوئی پیچھے سے پردہ داروں نے باتیں بنالیں کہ وہ قبر میں زندہ ہو گیا تھا۔ مگر افسوس کہ انہوں نے نہ سوچا کہ یہودیوں کا تو یہ سوال تھا۔ کہ ہمارے روبرو ہمیں زندہ ہو کر دکھلاوے۔ پھر جبکہ ان کے روبرو زندہ نہ ہو سکا۔ اور نہ قبر میں زندہ ہو کر ان سے آکر ملاقات کی۔ تو یہودیوں کے نزدیک بلکہ ہر یک محقق کے نزدیک اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ حقیقت میں زندہ ہو گیا تھا۔ اور جب تک ثبوت نہ ہو۔ تب تک اگر فرض بھی کر لیں کہ قبر میں لاش گم ہو گئی۔ تو اس سے زندہ ہونا ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ عند العقل یقینی طور پر یہی ثابت ہو گا کہ در پردہ کوئی کرامات دکھلانے والا چُرا کر لے گیا ہو گا۔ دنیا میں بہتیرے ایسے گذرے ہیں کہ جن کی قوم یا معتقدوں کا یہی اعتقاد تھا کہ ان کی نعش گم ہو کر وہ معہ جسم بہشت میں پہنچ گئی ہے۔ تو کیا عیسائی قبول کر لیں گے کہ فی الحقیقت ایسا ہی ہوا

ہوگا۔ مثلاً دُور نہ جاؤ۔ **باوا نانک صاحب** کے واقعات پر ہی نظر ڈالو۔ کہ ۱۷ لاکھ سکھ صاحبوں کا اسی پر اتفاق ہے کہ درحقیقت وہ مرنے کے بعد معہ اپنے جسم کے بہشت میں پہنچ گئے اور نہ صرف اتفاق بلکہ ان کی معتبر کتابوں میں جو اسی زمانہ میں تالیف ہوئیں یہی لکھا ہوا ہے۔ اب کیا عیسائی صاحبان قبول کر سکتے ہیں کہ حقیقت میں باوا نانک صاحب معہ جسم بہشت میں ہی چلے گئے ہیں۔ افسوس کہ عیسائیوں کو دوسروں کے لئے تو فلسفہ یاد آجاتا ہے مگر اپنے گھر کی **نامعقول** باتوں سے فلسفہ کو چھوتے بھی نہیں دیتے۔ اگر عیسائی صاحبان کچھ انصاف سے کام لینا چاہیں تو جلد سمجھ سکتے ہیں کہ سکھ صاحبوں کے دلائل باوا نانک صاحب کی نعش گم ہونے اور معہ جسم بہشت میں جانے کے بارے میں عیسائیوں کے **مزخرفات** کی نسبت بہت ہی قوی اور قابل توجہ ہیں۔ اور بلاشبہ انجیل کی وجوہ سے زبردست ہیں۔ کیونکہ اول تو وہ واقعات اسی وقت **بالا والی جنم ساکھی** میں لکھے گئے۔ مگر انجیلیں یسوع کے زمانہ سے بہت برس بعد لکھی گئیں۔ پھر ایک اور ترجیح باوا نانک صاحب کے واقعہ کو یہ ہے۔ کہ یسوع کی طرف جو یہ کرامت منسوب کی گئی ہے۔ تو یہ درحقیقت اس ندامت کی پردہ پوشی کی غرض سے معلوم ہوتی ہے جو یہودیوں کے سامنے حواریوں کو اٹھانی پڑی۔ کیونکہ جب یہودیوں نے یسوع کو صلیب پر کھینچ کر پھر اس سے یہ معجزہ چاہا کہ اگر وہ اب زندہ ہو کر صلیب پر سے اُتر آئے۔ تو ہم اس پر ایمان لائیں گے۔ تو اس وقت یسوع صلیب پر سے اُتر نہ سکا۔ پس اس وجہ سے یسوع کے شاگردوں کو بہت ہی **ندامت** ہوئی اور وہ یہودیوں کے سامنے مونہہ دکھلانے کے قابل نہ رہے۔ لہٰذا ضرور تھا کہ وہ ندامت کے

چھپانے کے لئے کوئی ایسا حیلہ کرتے جس سے سادہ لوحوں کی نظر میں اس طعن اور ٹھٹھے اور ہنسی سے بچ جاتے۔ سو اس بات کو عقل قبول کرتی ہے کہ انہوں نے فقط ندامت کا کلنک اپنے مونہہ پر سے اتارنے کی غرض سے ضرور یہ حیلہ بازی کی ہوگی۔ کہ رات کے وقت جیسا کہ ان پر الزام لگا تھا یسوع کی نعش کو اس کی قبر میں سے نکال کر کسی دوسری قبر میں رکھ دیا ہوگا۔ اور پھر حسب مثل مشہور کہ خواجہ کا گواہ ڈڈو کہہ دیا ہوگا۔ کہ لو جیسا کہ تم درخواست کرتے تھے۔ یسوع زندہ ہوگیا۔ مگر وہ آسمان پر چلا گیا ہے لیکن یہ مشکلیں باوا نانک صاحب کے فوت ہونے پر سکھ صاحبوں کو پیش نہیں آئیں۔ اور نہ کسی دشمن نے ان پر یہ الزام لگایا اور نہ ایسے فریبوں کے لئے ان کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ اور نہ جیسا کہ یہودیوں نے شور مچایا تھا کہ نعش چرائی گئی ہے کسی نے شور مچایا سو اگر عیسائی صاحبان بجائے یسوع کے باوا نانک صاحب کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تو کسی قدر معقول بھی تھا۔ مگر یسوع کی نسبت تو ایسا خیال صریح بناوٹ اور جعلسازی کی بدبو سے بھرا ہوا ہے۔

اخیر عذر یسوع کے دکھ اٹھانے اور مصلوب ہونے کا یہ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ وہ خدا ہو کر پھر اس لئے سولی پر کھینچا گیا۔ کہ تا اس کی موت گناہگاروں کے لئے کفارہ ٹھہرے۔ لیکن یہ بات بھی عیسائیوں کی ہی ایجاد ہے کہ خدا بھی مرا کرتا ہے۔ گو مرنے کے بعد پھر اس کو زندہ کر کے عرش پر پہنچا دیا۔ اور اس باطل وہم میں آج تک گرفتار ہیں۔ کہ پھر وہ عدالت کرنے کے لئے دنیا میں آئے گا اور جو جسم مرنے کے بعد اس کو دوبارہ ملا وہی جسم خدائی کی حیثیت میں ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گا مگر عیسائیوں کا یہ مجسم خدا جس

پر بقول اُن کے ایک مرتبہ موت بھی آچکی ہے اور خون گوشت ہڈی اور اوپر نیچے کے سب اعضاء رکھتا ہے۔ یہ ہندوؤں کے اُن اوتاروں سے مشابہ ہے جن کو آج کل آریہ لوگ بڑے جوش سے چھوڑتے جاتے ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ عیسائیوں کے خدا نے تو صرف ایک مرتبہ مریم بنت یعقوب کے پیٹ سے جنم لیا مگر ہندوؤں کے خدا بشن نے نو مرتبہ دنیا کے گناہ دور کرنے کے لئے تولد کا داغ اپنے لئے قبول کر لیا۔ خصوصاً آٹھویں مرتبہ کا جنم لینے کا قصہ نہایت دلچسپ بیان کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کہتے ہیں کہ جب زمین دیتنوں کی طاقت سے مغلوب ہو گئی۔ تو بشن نے آدھی رات کو کنواری لڑکی کے پیٹ سے پیدا ہو کر اوتار لیا۔ اور جو پاپ دنیا میں پھیلے ہوئے تھے۔ اُن سے لوگوں کو چھڑا دیا۔ یہ قصہ اگرچہ عیسائیوں کے مذاق کے موافق ہے۔ مگر اس بات میں ہندوؤں نے بہت عقلمندی کی۔ کہ عیسائیوں کی طرح اپنے اوتاروں کو سولی نہیں دیا۔ اور نہ ان کے لعنتی ہونے کے قائل ہوئے۔ قرآن شریف کے بعض اشارات سے نہایت صفائی کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو خدا بنانے کے موجد پہلے آریہ ورت کے برہمن ہی ہیں۔ اور پھر یہی خیالات یونانیوں نے ہندوؤں سے لئے۔ آخر اس مکروہ اعتقاد میں ان دونوں قوموں کے فضلہ خوار عیسائی بنے۔ اور ہندوؤں کو ایک اور بات دُور کی سوجھی۔ جو عیسائیوں کو نہیں سوجھی۔ اور وہ یہ کہ ہندو لوگ خدائے ازلی ابدی کے قدیم قانون میں یہ بات داخل رکھتے ہیں۔ کہ جب کبھی دنیا گناہ سے بھر گئی۔ تو آخر ان کے پرمیشر کو یہی تدبیر خیال میں آئی۔ کہ خود دنیا میں جنم لے کر لوگوں کو نجات دیوے۔ اور ایسا واقعہ صرف ایک دفعہ نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ ضرورت کے وقتوں میں ہوتا رہا۔ لیکن گو عیسائیوں کا یہ تو

عقیدہ ہے کہ خدا تعالیٰ قدیم ہے۔ اور گذشتہ زمانہ کی طرف خواہ کیسے ہی اوپر سے اوپر چڑھتے جائیں۔ اس خدا کے وجود کا کہیں ابتدا نہیں۔ اور قدیم سے وہ خالق اور رب العالمین بھی ہے لیکن وہ اس بات کے قائل نہیں ہیں کہ وہ ہمیشہ سے اور غیر متناہی زمانوں سے اپنے پیارے بیٹوں کو لوگوں کے لئے سولی پر چڑھاتا رہا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ یہ تدبیر ابھی اس کو کچھ تھوڑے عرصہ سے ہی سوجھی ہے۔ اور ابھی بڈھے باپ کو یہ خیال آیا ہے کہ بیٹے کو سولی دلا کر دوسروں کو عذاب سے بچاوے یہ تو ظاہر ہے کہ اس بات کے ماننے سے کہ خدا قدیم اور ابدالآباد سے چلا آتا ہے۔ یہ دوسری بات بھی ساتھ ہی ماننی پڑتی ہے کہ اس کی مخلوقات بھی بحیثیت قدامت نوعی ہمیشہ سے ہی چلی آئی ہے۔ اور صفات قدیمہ کے تجلیات قدیمہ کی وجہ سے کبھی ایک عالم ممکن عدم میں مختفی ہوتا چلا آیا ہے۔ اور کبھی دوسرا عالم بجائے اس کے ظاہر ہوتا رہا ہے۔ اور اس کا شمار کوئی بھی نہیں کر سکتا کہ کس قدر عالموں کو خدا نے اس دنیا سے اٹھا کر دوسرے عالم بجائے اس کے قائم کئے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں یہ فرما کر ہم نے آدم سے پہلے جان کو پیدا کیا تھا۔ اسی قدامت نوع عالم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ لیکن عیسائیوں نے باوجود بدیہی ثبوت اس بات کے کہ قدامت نوع عالم ضروری ہے پھر اب تک کوئی ایسی فہرست پیش نہیں کی جس سے معلوم ہو کہ ان غیر محدود عالموں میں جو ایک دوسرے سے بالکل بے تعلق تھے کتنی مرتبہ خدا کا فرزند سولی پر کھینچا گیا۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ بموجب اصول عیسائی مذہب کے کوئی شخص بجز خدا کے فرزند کے گناہ سے خالی نہیں پس اس صورت میں تو یہ سوال ضروری ہے کہ وہ مخلوق جو ہمارے

اس آدم سے بھی پہلے گذر چکی ہے۔ جن کا ان بنی آدم کے سلسلہ سے کچھ تعلق نہیں۔ ان کے گناہ کی معافی کا کیا بندوبست ہوا تھا۔ اور کیا ہی بیٹا اُن کو نجات دینے کے لئے پہلے بھی کئی مرتبہ پھانسی مل چکا ہے۔ یا وہ کوئی دوسرا بیٹا تھا جو پہلے زمانوں میں پہلی مخلوق کے لئے سُولی پر چڑھتا رہا۔ جہاں تک ہم خیال کرتے ہیں ہمیں تو یہ سمجھ آتا ہے کہ اگر صلیب کے بغیر گناہوں کی معافی نہیں تو عیسائیوں کے خدا کے بے انتہا اور ان گنت بیٹے ہوں گے۔ جو وقتاً فوقتاً ان معرکوں میں کام آئے ہوں گے۔ اور ہر یک اپنے وقت پر پھانسی ملا ہوگا پس ایسے خدا سے کسی بہبودی کی امید رکھنا لاحاصل ہے جس کے خود اپنے ہی نوجوان بچے مرتے رہے ۞

امرت سر کے مباحثہ میں بھی ہم نے یہ سوال کیا تھا کہ عیسائی یہ اقرار کرتے ہیں کہ ان کا خدا کسی کو گناہ میں ہلاک کرنا نہیں چاہتا۔ پھر اس صورت میں اُن پر یہ اعتراض ہے کہ اس خدا نے ان شیاطین کی پلید روحوں کی نجات کے لئے کیا بندوبست کیا جن پلید روحوں کا ذکر انجیل میں موجود ہے ٭ کیا کوئی ایسا بیٹا بھی دنیا میں آیا جس نے شیاطین کے گناہوں کے لئے اپنی

٭ نوٹ: اسلامی تعلیم سے ثابت ہے کہ شیاطین بھی ایمان لے آتے ہیں چنانچہ ہمارے سید و مولیٰ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا شیطان مُسلمان ہو گیا ہے۔ غرض ہر ایک انسان کے ساتھ ایک شیطان ہوتا ہے۔ اور مطہر اور مقرب انسان کا شیطان ایمان لے آتا ہے مگر افسوس کہ یسوع کا شیطان ایمان نہیں لا سکا۔ بلکہ الٹا اس کو گمراہ کرنے کی فکر میں ہوا اور ایک پہاڑی پر لے گیا۔ اور دنیا کی دولتیں دکھلائیں اور وعدہ کیا کہ سجدہ کرنے پر یہ تمام دولتیں دے دوں گا۔ اور شیطان کا یہ مقولہ حقیقت میں ایک بڑی پیشگوئی تھی اور اس بات کی طرف اشارہ بھی تھا کہ جب عیسائی قوم اس کو سجدہ کرے گی۔ تو دنیا کی تمام دولتیں ان کو دی جاویں گی۔ سو ایسا

جان دی ہو یا شیاطین کو گناہ سے باز رکھا ہو۔ اگر ایسا کوئی انتظام نہیں ہوا تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں کا خدا اس بات پر ہمیشہ راضی رہا ہے۔ جو شیاطین کو جو عیسائیوں کے اقرار سے بنی آدم سے بھی زیادہ ہیں ہمیشہ کی جہنم میں جلاوے۔ پھر جبکہ ایسے کسی بیٹے کا نشان نہیں دیا گیا۔ تو اس صورت میں تو عیسائیوں کو اقرار کرنا پڑا کہ ان کے خدا نے شیاطین کو جہنم کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ غرض بیچارے عیسائی جب سے **ابن مریم** کو خدا بنا بیٹھے ہیں۔ بڑی بڑی مصیبتوں میں پڑے ہوئے ہیں کوئی ایسا دن نہیں ہوگا کہ خود انہیں کی روح ان کے اس اعتقاد کو نفرت سے نہیں دیکھتی ہوگی۔ پھر ایک اور مصیبت ان کو یہ پیش آئی ہے کہ اس مصلوب کی علت غائی عند التحقیق کچھ ثابت نہیں ہوتی۔ اور اس کے صلیب پر کھینچے جانے کا کوئی ثمرہ بپایہ ثبوت نہیں پہنچتا۔ کیونکہ صورتیں صرف دو ہیں۔

(۱) **اوّل** یہ کہ اس مرحوم بیٹے کے مصلوب ہونے کی علت غائی یہ قرار دیں کہ تا اپنے ماننے والوں کو گناہ کرنے میں دلیر کرے اور اپنے کفارے کے سہارے سے خوب زور شور سے فسق و فجور اور ہر یک قسم کی بدکاری پھیلاوے۔ سو یہ صورت تو بداہت نامعقول اور شیطانی طریق ہے۔ اور میرے خیال میں دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ اس **فاسقانہ طریق** کو پسند کرے۔ اور ایسے کسی مذہب کے بانی کو نیک قرار دے جس نے اس طرح پر عام آدمیوں

بقیہ نوٹ: ظہور میں آیا جن کے پیشوا نے خدا کہلا کر پھر شیطان کی پیروی کی یعنی اس کے پیچھے ہو لیا۔ ان کا شیطان کو سجدہ کرنا کیا بعید تھا۔ غرض عیسائیوں کی دولتیں درحقیقت اسی سجدہ کی وجہ سے ہیں جو انہوں نے شیطان کو کیا اور ظاہر ہے کہ شیطانی وعدہ کے موافق سجدہ کے بعد عیسائیوں کو دنیا کی دولتیں دی گئیں۔ منہ

کو گناہ کرنے کی ترغیب دی ہو۔ بلکہ تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اس طرح کا فتویٰ وہی لوگ دیتے ہیں۔ جو درحقیقت ایمان اور نیک چلنی سے محروم رہ کر اپنے اغراض نفسانی کی وجہ سے دوسروں کو بھی بدکاریوں کے جہنم میں ڈالنا چاہتے تھے۔ اور یہ لوگ درحقیقت ان نجومیوں کے مشابہ ہیں جو ایک شارع عام میں بیٹھ کر راہ چلتے لوگوں کو پھسلاتے اور فریب دیتے ہیں۔ اور ایک ایک پیسہ لے کر بیچارے حمقا کو بڑے تسلی بخش الفاظ میں خوشخبری دیتے ہیں کہ عنقریب ان کی ایسی ایسی نیک قسمت کھلنے والی ہے۔ اور ایک سچے محقق کی صورت بنا کر ان کے ہاتھ کے نقوش اور چہرہ کے خط و خال کو بہت توجہ سے دیکھنے بھالتے ہیں۔ گویا وہ بعض نشانوں کا پتہ لگا رہے ہیں۔ اور پھر ایک تماشی کتاب کے ورقوں کو جو صرف اسی فریب دہی کے لئے آگے دھری ہوتی ہے۔ الٹ پلٹ کر یقین دلاتے ہیں کہ درحقیقت پوچھنے والے کا ایک بڑا ہی ستارہ قسمت چمکنے والا ہے غالباً کسی ملک کا بادشاہ ہو جائے گا۔ ورنہ وزارت تو کہیں نہیں گئی۔ اور یا یہ لوگ جو کسی کو باوجود اس کی دائمی ناپاکیوں کے خدا کا مورد فضل بنانا چاہتے ہیں۔ ان کیمیاگروں کی مانند ہیں جو ایک سادہ لوح مگر دولت مند کو دیکھ دیکھ کر طرح طرح کی لاف زنیوں سے شکار کرنا چاہتے ہیں اور ادھر ادھر کی باتیں کرتے کرتے پہلے آنے والے کیمیاگروں کی مذمت کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ جھوٹے بدذات ناحق اچکوں کے طور پر لوگوں کا مال فریب سے کھسکا کر لے جاتے ہیں۔ اور پھر آخر بات کو کشاں کشاں اس حد تک پہنچاتے ہیں۔ کہ صاحب میں نے اپنے پچاس یا ساٹھ برس کی عمر میں جس کو کیمیاگری کا مدعی دیکھا جھوٹا ہی پایا۔ ہاں میرے گورو بیکنٹھ باشی سچے رسائی تھے۔ کروڑ ہا روپیہ کا دان کر گئے مجھے خوش نصیبی

سے بامال برس تک ان کی خدمت کا شرف حاصل ہوا اور پھل پایا۔ پھل پانے کا نام سُن کر ایک جاہل بول اٹھتا ہے کہ باباجی تب تو آپ نے ضرور رسائن کا نسخہ گوروجی سے سیکھ لیا ہوگا۔ یہ بات سُن کر باباجی کچھ ناراض ہو کر تیوری چڑھا کر بولتے ہیں کہ میاں اس بات کا نام نہ لو ہزاروں لوگ جمع ہو جائیں گے ہم تو لوگوں سے چھپ کر بھاگتے پھرتے ہیں۔ غرض ان چند فقروں سے ہی جاہل دام میں آجاتے ہیں پھر تو شکار دام افتادہ کو ذبح کرنے کے لئے کوئی بھی دقت باقی نہیں رہتی۔ خلوت میں راز کے طور پر سمجھاتے ہیں کہ درحقیقت تمہاری ہی خوش قسمتی ہمیں ہزاروں کوسوں سے کھینچ لائی ہے۔ اور اس بات سے ہمیں خود بھی حیرانی ہے کہ کیونکر یہ سخت دل تمہارے لئے نرم ہو گیا۔ اب جلدی کرو۔ اور گھر سے یا مانگ کر دس ہزار کا طلائی زیور لے آؤ۔ ایک ہی رات میں وہ چند ہو جائے گا مگر خبردار کسی کو میری اطلاع نہ دینا۔ کسی اور بہانہ سے مانگ لینا۔ قصہ کوتاہ یہ کہ آخر زیور لے کر اپنی راہ لیتے ہیں۔ اور وہ دیوانے دہ چند کی خواہش کرنے والے اپنی جان کو رونے رہ جاتے ہیں۔ یہ اس طمع کی شامت ہوتی ہے جو قانون قدرت سے غفلت کر کے انتہا تک پہنچائی جاتی ہے۔ مگر میں نے سُنا ہے کہ ایسے ٹھگوں کو یہ ضروری کہنا پڑتا ہے کہ جس قدر ہم سے پہلے آئے یا بعد میں آویں گے۔ یقیناً سمجھو کہ وہ سب فریبی اور بٹ مار اور ناپاک اور جھوٹے اور اس نسخہ سے بےخبر ہیں سو ایسا ہی عیسائیوں کی پٹری بھی جم نہیں سکتی جب تک کہ حضرت آدمؑ سے لے کر اخیر تک تمام مقدس نبیوں کو پاپی اور بدکار نہ بنا لیں+ ؎

+ عیسائیوں کی عقل اور سمجھ پر افسوس ہے کہ انہوں نے اپنے یسوع کو خدا بنا کر اس کی ذات کو کچھ فائدہ نہیں

(۲) دوسری صورت اس قابل رحم بیٹے کے مصلوب ہونے کی یہ ہے۔ کہ اس کے سولی ملنے کی یہ علت غائی قرار دی جائے۔ کہ اس کی سولی پر ایمان لانے والے ہر یک قسم کے گناہ اور بدکاریوں سے بچ جائیں گے۔ اور ان کے نفسانی جذبات ظہور میں نہ آنے پائیں گے۔ مگر افسوس کہ جیسا کہ پہلی صورت خلاف تہذیب اور بدیہی البطلان ثابت ہوئی تھی۔ ایسے ہی یہ صورت بھی کھلے کھلے طور پر باطل ہی ثابت ہوئی ہے۔ کیونکہ اگر فرض کیا جائے۔ کہ یسوع کا کفارہ ماننے میں ایک ایسی خاصیت ہے کہ اس پر سچا ایمان لانے والا فرشتہ سیرت بن جاتا ہے۔ اور پھر بعد ازاں اس کے دل میں گناہ کا خیال ہی نہیں آتا۔ تو تمام گذشتہ نبیوں کی نسبت کہنا پڑے گا کہ وہ یسوع کی سولی اور کفارہ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ کیونکہ انہوں نے تو بقول عیسائیاں بدکاریوں میں حد ہی کر دی۔ کسی نے ان میں سے بُت پرستی کی۔ اور کسی نے ناحق کا خون کیا اور کسی نے اپنی بیٹیوں سے بدکاری کی اور بالخصوص یسوع کے دادا صاحب داؤد نے تو سارے بُرے کام کئے۔ ایک بے گناہ کو اپنی شہوت رانی کے لئے فریب سے قتل کرایا۔ اور دلالہ عورتوں کو بھیج کر اس کی جورو کو منگوایا اور اس کو شراب پلائی اور اس سے زنا کیا اور بہت سا مال حرامکاری میں ضائع کیا اور تمام عمر سَو تک بیوی رکھی اور یہ حرکت بھی بقول عیسائیاں زنا میں داخل تھی۔ اور عجیب تر یہ کہ روح القدس بھی ہر روز اس پر نازل ہوتا تھا۔ اور زبور بڑی سرگرمی سے اُتر رہی تھی۔ مگر

بقیہ نوٹ: پہنچایا بلکہ راستبازوں کے سامنے اس کو شرمندہ کیا بہتر تھا کہ اس کی روح کو ثواب پہنچانے کیلئے صدقہ دیتے اس کے لئے دعائیں کرتے تا اس کی عاقبت کے لئے بھلائی ہوتی منت خاک کو صدمہ ملنے میں کیا حاصل تھا۔ منہ

افسوس کہ نہ تو روح القدس نے اور نہ یسوع کے کفارہ پر ایمان لانے نے بدکاریوں سے اس کو روکا۔ آخر انہیں بدعملیوں میں جان دی۔ اور اس سے عجیب تر یہ کہ یہ کفارہ یسوع کی دادیوں اور نانیوں کو بھی بدکاری سے نہ بچا سکا۔ حالانکہ ان کی بدکاریوں سے یسوع کے گوہر فطرت پر داغ لگتا تھا اور یہ دادیاں نانیاں صرف ایک دو نہیں بلکہ تین ہیں۔ چنانچہ یسوع کی ایک بزرگ نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی۔ یعنی راحاب کسبی یعنی کنجری تھی دیکھو یشوع ۲-۱۔ اور دوسری نانی جو ایک طور سے دادی بھی تھی۔ اس کا نام تمر ہے۔ یہ خانگی بدکار عورتوں کی طرح حرام کار تھی۔ دیکھو پیدائش ۳۸ ۱۶ سے ۳۰۔ اور ایک نانی یسوع صاحب کی جو ایک رشتہ سے دادی بھی تھی بنت سبع کے نام سے موسوم ہے۔ یہ وہی پاک دامن تھی۔ جس نے داؤد کے ساتھ زنا کیا تھا✠ دیکھو سموئیل ۱۱-۲

اب ظاہر ہے کہ ان کی دادیوں اور نانیوں کو یسوع کے کفارہ کی ضرور اطلاع دی گئی ہوگی۔ اور اس پر ایمان لائی ہوں گی۔ کیونکہ یہ تو عیسائیوں کا اصول ہے کہ پہلے نبیوں اور ان کی امت کو بھی یہی تعلیم کفارہ کی دی گئی تھی۔ اور اسی پر ایمان لاکر ان کو نجات ہوئی پس اگر یسوع کے مصلوب ہونے کا یہ اثر سمجھا جائے۔ کہ اس کی مصلوبیت پر ایمان لاکر گناہ سے انسان بچ جاتا ہے۔ تو

✠ نوٹ :۔ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری والدہ سے لے کر حوا تک میری ماؤں کے سلسلہ میں کوئی عورت بدکار اور زانیہ نہیں اور نہ مرد زانی اور بدکار ہے لیکن بقول عیسائیوں کے ان کے خدا صاحب کی پیدائش میں تین زناکار عورتوں کا خون ملا ہوا ہے۔ حالانکہ توریت میں جو کچھ زانیہ عورتوں کی اولاد کی نسبت لکھا ہے وہ کسی پر پوشیدہ نہیں۔ منہ

چاہیئے تھا کہ یسوع کی دادیاں اور نانیاں زناکاریوں اور حرامکاریوں سے بچائی جاتیں مگر جس حالت میں تمام پیغمبر باوجودیکہ بقول عیسائیاں یسوع کی خودکشی پر ایمان لاتے تھے۔ بدکاریوں سے نہ بچ سکے۔ اور نہ یسوع کی دادیاں نانیاں بچ سکیں۔ تو اس سے صاف طور پر ثابت ہوگیا کہ یہ جھوٹا کفارہ کسی کو نفسانی جذبات سے بچا نہیں سکتا۔ اور خود مسیح کو بھی بچا نہ سکا۔ دیکھو وہ کیسے شیطان کے پیچھے* پیچھے چلا گیا حالانکہ اس کو جانا مناسب نہ تھا اور غالباً یہی

*نوٹ: آج کل کے یورپین فلاسفر باوجود عیسائی ہونے کے اس بات کو نہیں مانتے کہ درحقیقت یسوع کو شیطان بہلا کر ایک پہاڑی پر لے گیا تھا کیونکہ وہ لوگ شیطان کے تجسم کے قائل نہیں بلکہ خود شیطان کے وجود سے ہی منکر ہیں لیکن درحقیقت علاوہ خیالات ان فلاسفروں کے ایک اعتراض تو ضرور رہتا ہے۔ کہ اگر یہ واقعہ شیطان کی رفاقت کا یہودیوں کے ہیکلوں اور گذرگاہوں میں ہوتا تو ضرور تھا کہ نہ صرف یسوع بلکہ کئی یہودی بھی اس شیطان کو دیکھتے۔ اور کچھ شک نہیں کہ شیطان معمولی انسانوں کی طرح نہیں ہوگا۔ بلکہ ایک عجیب وغریب صورت کا جاندار ہوگا جو دیکھنے والوں کو تعجب میں ڈالتا ہوگا پس اگر درحقیقت شیطان یسوع کو بیداری میں دکھائی دیا تھا تو چاہیئے تھا کہ اس کو دیکھ کر ہزارہا یہودی وغیرہ اس جگہ جمع ہوجاتے اور ایک مجمع اکٹھا ہوجاتا لیکن ایسا وقوع میں نہیں آیا۔ اس لئے یورپین محقق اس کو کوئی خارجی واقع قبول نہیں کرسکتے۔ بلکہ وہ ایسے ہی بیہودہ تخیلات کی وجہ سے جن میں سے خدائی کا دعویٰ بھی ہے۔ انجیل کو دور سے سلام کرتے ہیں۔ چنانچہ حال میں ایک یورپین عالم نے عیسائیوں کی انجیل مقدس کی نسبت یہ رائے ظاہر کی ہے کہ میری رائے میں کسی دانشمند آدمی کو اس بات کے یقین دلانے کو کہ انجیل انسان کی بناوٹ بلکہ وحشیانہ ایجاد ہے۔ صرف اسی قدر ضرورت ہے کہ وہ انجیل کو پڑھے پھر صاحب بہادر یہ فرماتے ہیں۔ کہ تم انجیل کو اس طرح پڑھو جیسے کہ تم کسی اور کتاب کو پڑھتے ہو۔ اور اس کی نسبت ایسے خیالات کرو۔ جیسے کہ اور کتابوں کی نسبت کرتے ہو۔ اپنی آنکھوں سے تعظیم کی پٹی نکال دو۔ اور اپنے دل سے خوف کے

حرکت تھی جس کی وجہ سے وہ ایسا نادم ہوا کہ جب ایک شخص نے نیک کہا تو

بقیہ نوٹ: ابموت کو بھگا دو۔ اور دماغ اوہام سے خالی کرو۔ تب انجیل مقدس کو پڑھو تو تم کو تعجب ہوگا کہ تم نے ایک لحظہ کے لئے بھی کیونکر اس جہالت اور ظلم کے مصنّف کو عقلمند اور نیک اور پاک خیال کیا تھا۔ ایسا ہی اور بہت سے فلاسفر سائنس کے جاننے والے جو انجیل کو نہایت ہی کراہت سے دیکھتے ہیں۔ وہ انہیں ناپاک تعلیموں کی وجہ سے متنفر ہو گئے* جن کو ماننا ایک عقلمند کے لئے درحقیقت نہایت درجہ جائے عار ہے۔ مثلاً یہ ایک جھوٹا قصہ کہ ایک باپ ہی جو سخت مغلوب الغضب اور سب کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اور ایک بیٹا ہے جس نے باپ کے مجنونانہ غضب کو اس طرح لوگوں سے ٹال دیا ہے کہ آپ سولی پر چڑھ گیا۔ اب بیچارے محقق یورپین ایسی بے ہودہ باتوں کو کیونکر مان لیں۔ ایسا ہی عیسائیوں کی یہ سادہ لوحی کے خیال کہ خدا کو تین جسم پر منقسم کر دیا۔ ایک وہ جسم جو آدمی کی شکل میں ہمیشہ رہے گا جس کا نام ابن اللہ ہے۔ دوسرے وہ جسم جو کبوتر کی طرح ہمیشہ رہے گا جس کا نام روح القدس ہے۔ تیسرے وہ جسم جس کے دہنے ہاتھ بیٹا جا بیٹھا ہے اب کوئی عقلمند ان اجسام ثلاثہ کو کیونکر قبول کرے۔ لیکن شیطان کی ہمراہی کا الزام یورپین فلاسفروں کے نزدیک کچھ کم ہنسی کا باعث نہیں بہت کوششوں کے بعد یہ تاویلیں پیش ہوتی ہیں۔ کہ یہ حالات یسوع کے دماغی قویٰ کے اپنے ہی تخیلات تھے اور اس بات کو بھی مانتے ہیں کہ تندرستی اور صحت کی حالت میں ایسے مکروہ تخیلات پیدا نہیں ہو سکتے۔ بیٹھوں کو اس

* **نوٹ:** عیسائیوں میں جس قدر کوئی فلسفہ کے میدان پہنچتا ہے اسی قدر انجیل اور عیسائی مذہب سے بیزار ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان دنوں ایک میم صاحبہ نے بھی عیسائی عقیدہ کے رد میں ایک رسالہ شائع کیا ہے مگر اسلامی فلاسفروں کا اس کے برعکس حال ہے۔ بوعلی سینا جو رئیس فلاسفہ اور بدمذہب اور ملحد کر کے مشہور ہے۔ وہ اپنی کتاب اشارات کے اخیر میں لکھتا ہے کہ اگرچہ حشر جسمانی بردلائل فلسفیہ قائم نہیں بلکہ اس کے برعکس پر قائم ہوتے ہیں مگر چونکہ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اس لئے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ منہ

اس نے روکا کہ مجھے کیوں نیک کہتا ہے حقیقت میں ایسا شخص جو شیطان کے

بقیہ نوٹ: بات کی ذاتی تحقیقات ہے کہ مرگی کی بیماری کے مبتلا اکثر شیاطین کو اسی طرح دیکھا کرتے ہیں۔ وہ بعینہٖ ایسا ہی بیان کیا کرتے ہیں کہ ہمیں شیطان فلاں فلاں جگہ لے گیا۔ اور اور یہ یہ عجائبات دکھلائے اور مجھے یاد ہے کہ شاید چونتیس برس کا عرصہ گذرا ہوگا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک جگہ شیطان سیاہ رنگ اور بدصورت کھڑا ہے۔ اول اس نے میری طرف توجہ کی۔ اور میں نے اس کو منہ پر طمانچہ مار کر کہا کہ دور ہو اے شیطان تیرا مجھ میں حصہ نہیں۔ اور پھر وہ ایک دوسرے کی طرف گیا اور اس کو اپنے ساتھ کر لیا۔ اور جس کو ساتھ کر لیا اس کو میں جانتا تھا۔ اتنے میں آنکھ کھل گئی۔ اسی دن یا اس کے بعد اس شخص کو مرگی پڑی جس کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ شیطان نے اس کو ساتھ کر لیا تھا اور صرع کی بیماری میں گرفتار ہوگیا۔ اس سے مجھے یقین ہوا کہ شیطان کی ہمراہی کی تعبیر مرگی ہے۔ پس یہ نہایت لطیف نکتہ اور بہت صاف اور عاقلانہ رائے ہے کہ یسوع دراصل مرگی کی بیماری میں مبتلا تھا۔ اور اسی وجہ سے ایسی خوابیں بھی دیکھا کرتا تھا اور یہودیوں کا یہ الزام کہ تو بعل زبول کی مدد سے ایسے کام کرتا ہے اس رائے کا مؤید اور بہت تسکین بخش ہے۔ کیونکہ بعل زبول بھی شیطان کا نام ہے۔ اور یہودیوں کی بات اس وجہ سے بھی درست اور قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ جن لوگوں کو شیطان کا سخت آسیب ہو جاتا ہے اور شیطان اُن سے محبت کرنے لگتا ہے۔ تو گو ان کی اپنی مرگی وغیرہ اچھی نہیں ہوتی مگر دوسروں کو اچھا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ شیطان اُن سے محبت کرتا ہے اور اُن سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ مگر نہایت محبت کی وجہ سے ان کی باتیں مان لیتا ہے اور دوسروں کو ان کی خاطر سے شیطانی مرضوں سے نجات دیتا ہے اور ایسے عامل ہمیشہ شراب اور پلید چیزیں استعمال کرتے رہتے ہیں۔ اور اول درجہ کے شرابی اور کھاؤ پیو ہوتے ہیں۔ چنانچہ تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ ایک شخص اسی طرح مرض بے ہوشی میں گرفتار تھا اور کہتے ہیں کہ وہ دوسرے لوگوں کے جنات نکال دیا کرتا تھا۔ غرض یسوع کا یہ واقعہ شیطان کے ہمراہ کا مرض صرع پر صاف دلیل ہے اور ہمارے پاس کئی وجوہ ہیں جن کے مفصل لکھنے کی ابھی ضرورت نہیں اور یقین ہے کہ محقق عیسائی

پیچھے پیچھے چلا گیا۔ کیونکر جرأت کر سکتا ہے۔ کہ اپنے تئیں نیک کہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ یسوع نے اپنے خیال سے اور بعض اور باتوں کی وجہ سے بھی اپنے تئیں نیک کہلانے سے کنارہ کشی ظاہر کی۔ مگر افسوس کہ اب عیسائیوں نے نہ صرف نیک قرار دیا۔ بلکہ خدا بنا رکھا ہے۔ غرض کفارہ مسیح کی ذات کو بھی کچھ فائدہ نہ پہنچا سکا۔ اور تکبر اور خود بینی جو تمام بدیوں کی جڑ ہے۔ وہ تو یسوع صاحب کے ہی حصہ میں آئی ہوئی معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس نے آپ خدا بن کر سب نبیوں کو رہزن اور بٹمار اور ناپاک حالت کے آدمی قرار دیا ہے حالانکہ یہ اقرار بھی اس کی کلام سے نکلتا ہے کہ وہ خود بھی نیک نہیں ہے مگر افسوس کہ تکبر کا سیلاب اس کی تمام حالت کو برباد کر گیا ہے۔ کوئی بھلا آدمی

بقیہ نوٹ: جو پہلے ہی ہماری اس رائے سے اتفاق رکھتے ہیں۔ انکار نہیں کریں گے۔ اور جو نادان پادری انکار کریں تو ان کو اس بات کا ثبوت دینا چاہیئے کہ یسوع کا شیطان کے ہمراہ جانا درحقیقت بیداری کا ایک واقع ہے۔ اور صرع وغیرہ کے لحوق کا نتیجہ نہیں۔ مگر ثبوت میں معتبر گواہ پیش کرنے چاہئیں جو رویت کی گواہی دیتے ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ کبوتر کا اترنا اور یہ کہنا کہ تو میرا پیارا بیٹا ہے۔ درحقیقت یہ بھی ایک مرگی کا دورہ تھا جس کے ساتھ ایسے تخیلات پیدا ہوئے بات یہ ہے کہ کبوتر کا رنگ سفید ہوتا ہے اور بلغم کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور مرگی کا مادہ بلغم ہی ہوتا ہے۔ سو بلغم کبوتر کی شکل پر نظر آگئی اور یہ جو کہا کہ تو میرا بیٹا ہے۔ اس میں بھید یہ ہے کہ درحقیقت مصروع مرگی کا بیٹا ہی ہوتا ہے۔ اسی لئے مرگی کو فن طبابت میں ام الصبیان کہتے ہیں یعنی بچوں کی ماں اور ایک مرتبہ یسوع کے چار حقیقی بھائیوں نے اس وقت کی گورنمنٹ میں درخواست بھی دی تھی کہ یہ شخص دیوانہ ہوگیا ہے اس کا کوئی بندوبست کیا جائے یعنی عدالت کے جیلخانہ میں داخل کیا جاوے تا کہ اس کے دستور کے موافق اس کا علاج ہو تو یہ درخواست بھی صریح اس بات پر دلیل ہے کہ یسوع درحقیقت بوجہ بیماری مرگی کے دیوانہ ہوگیا تھا۔ منہ

خو سوال یہ ہے کہ شیطان کو کس کس نے یسوع کے ساتھ دیکھا تھا؟

گذشتہ بزرگوں کی مذمت نہیں کرتا لیکن اس نے پاک نبیوں کو زنوں اور بٹماروں
کے نام سے موسوم کیا ہے۔ اس کی زبان پر دوسروں کے لئے ہر وقت بے ایمان
حرام کار کا لفظ چڑھا ہوا ہے کسی کی نسبت ادب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔
کیوں نہ ہو خدا کا فرزند جو ہوا۔ اور پھر جب دیکھتے ہیں کہ یسوع کے
کفارہ نے حواریوں کے دلوں پر کیا اثر کیا۔ کیا وہ اس پر ایمان لا کر گناہ سے
باز آ گئے۔ تو اس جگہ بھی سچی پاکیزگی کا خانہ خالی ہی معلوم ہوتا ہے۔ یہ تو ظاہر
ہے کہ وہ لوگ سولی ملنے کی خبر کو سن کر ایمان لا چکے تھے۔ لیکن پھر بھی نتیجہ یہ
ہوا کہ یسوع کی گرفتاری پر پطرس نے سامنے کھڑے ہو کر اس پر **لعنت**
بھیجی باقی سب بھاگ گئے۔ اور کسی کے دل میں اعتقاد کا نور باقی نہ رہا۔ پھر
بعد اس کے گناہ سے رکنے کا اب تک یہ حال ہے کہ خاص یورپ کے محققین
کے اقراروں سے یہ بات ثابت ہے کہ یورپ میں حرام کاری کا اس قدر زور
ہے کہ خاص لنڈن میں ہر سال ہزاروں حرامی بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور اس قدر
گندے واقعات یورپ کے شائع ہوئے ہیں کہ کہنے اور سننے کے لائق نہیں۔
شراب خواری کا اس قدر زور ہے کہ اگر ان دو کانوں کو ایک خط مستقیم میں
باہم رکھ دیا جائے تو شاید ایک مسافر کی دو منزل طے کرنے تک بھی وہ دو کانیں
ختم نہ ہوں عبادات سے فراغت ہے۔ اور دن رات سوا عیاشی اور دنیا پرستی
کے کام نہیں پس ان تمام تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یسوع کے مصلوب ہونے
سے اس پر ایمان لانے والے گناہ سے رک نہیں سکتے* بلکہ جیسا کہ بند ٹوٹنے

* **نوٹ**: یسوع کا مصلوب ہونا اگر اپنی مرضی سے ہوتا تو خودکشی اور حرام کی موت تھی اور خلاف مرضی کی
حالت میں کفارہ نہیں ہو سکتا اور یسوع اس لئے اپنے تئیں نیک نہیں کہہ سکا کہ لوگ جانتے تھے

سے ایک تیز دھار دریا کا پانی ارد گرد کے دیہات کو تباہ کر جاتا ہے۔ ایسا ہی کفارہ پر ایمان لانے والوں کا حال ہو رہا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ عیسائی لوگ اس پر زیادہ بحث نہیں کرینگے کیونکہ جس حالت میں ان نبیوں کو جن کے پاس خدا کا فرشتہ آتا تھا۔ یسوع کا کفارہ بدیوں سے روک نہ سکا تو پھر کیونکر تاجروں اور پیشہ دروں اور خشک پادریوں کو ناپاک کاموں سے روک سکتا ہے۔ غرض عیسائیوں کے خدا کی کیفیت یہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہ

تیسرا مذہب اُن دو مذہبوں کے مقابل پر جن کا ابھی ہم ذکر کر چکے ہیں **اسلام** ہے۔ اس مذہب کی خداشناسی نہایت صاف صاف اور انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ اگر تمام مذہبوں کی کتابیں نابود ہو کر ان کے سارے تعلیمی خیالات اور تصورات بھی محو ہو جائیں تب بھی وہ خدا جس کی طرف قرآن رہنمائی کرتا ہے۔ **آئینہ قانون قدرت** میں صاف صاف نظر آئے گا۔ اور اس کی قدرت اور حکمت سے بھری ہوئی صورت ہر یک ذرہ میں چمکتی ہوئی دکھائی دے گی۔ غرض وہ خدا جس کا پتہ **قرآن شریف** بتلاتا ہے۔ اپنی موجودات پر فقط قہری حکومت نہیں رکھتا بلکہ موافق آیتہ کریمہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی[1] کے ہر یک ذرہ ذرہ اپنی طبیعت اور روحانیت سے اس کا حکم بردار ہے۔ اس کی طرف جھکنے کے لئے ہر یک طبیعت میں ایک کشش پائی جاتی ہے

بقیہ نوٹ ایک شخص شرابی کبابی ہے اور یہ خراب چال چلن خدائی کے بعد بلکہ ابتدا ہی سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ خدائی کا دعویٰ شراب خواری کا ایک بدنتیجہ ہے۔ منہ

[1] الاعراف : ۱۷۳

اس کشش سے ایک ذرہ بھی خالی نہیں۔ اور یہ ایک بڑی دلیل اس بات پر ہے کہ وہ ہر یک چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ نورِ قلب اس بات کو مانتا ہے کہ وہ کشش جو اس کی طرف جھکنے کے لئے تمام چیزوں میں پائی جاتی ہے۔ وہ بلاشبہ اسی کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف نے اس آیت میں اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ان من شئ الا یسبح بحمدہٖ ۱؎ یعنی ہر یک چیز اس کی پاکی اور اس کے محامد بیان کر رہی ہے۔ اگر خدا ان چیزوں کا خالق نہیں تھا۔ تو ان چیزوں میں خدا کی طرف کشش کیوں پائی جاتی ہے۔ ایک غور کرنے والا انسان ضرور اس بات کو قبول کرلے گا کہ کسی مخفی تعلق کی وجہ سے یہ کشش ہے۔ پس اگر وہ تعلق خدا کا خالق ہونا نہیں تو کوئی آریہ وغیرہ اس بات کا جواب دیں کہ اس تعلق کی وید وغیرہ میں کیا ماہیت لکھی ہے۔ اور اس کا کیا نام ہے۔ کیا یہی سچ ہے کہ خدا صرف زبردستی ہر یک چیز پر حکومت کر رہا ہے۔ اور ان چیزوں میں کوئی طبعی قوت اور شوق خدا تعالیٰ کی طرف جھکنے کا نہیں ہے۔ معاذ اللہ ہرگز ایسا نہیں بلکہ ایسا خیال کرنا نہ صرف حماقت بلکہ پرلے درجہ کی خباثت بھی ہے۔ مگر افسوس کہ آریوں کے ویدنے خدا تعالیٰ کی خالقیت سے انکار کرکے اس روحانی تعلق کو قبول نہیں کیا جس پر طبعی اطاعت ہر یک چیز کی موقوف ہے۔ اور چونکہ دقیق معرفت اور دقیق گیان سے وہ ہزاروں کوس دور تھے۔ لہذا یہ سچا فلسفہ ان سے پوشیدہ رہا ہے کہ ضرور تمام اجسام اور ارواح کو ایک فطرتی تعلق اس ذات قدیم سے پڑا ہوا ہے اور خدا کی حکومت صرف بناوٹ اور زبردستی کی حکومت نہیں بلکہ ہر یک چیز اپنی روح سے اس کو سجدہ کر رہی ہے۔ کیونکہ ذرہ ذرہ اس کے بے انتہا احسانوں میں مستغرق اور اس کے ہاتھ سے نکلا ہوا ہے۔ مگر

۱؎ بنی اسرائیل: ۴۵

افسوس کہ تمام مخالف مذہب والوں نے خدا تعالیٰ کے وسیع دریائے قدرت اور رحمت اور تقدس کو اپنی تنگ دلی کی وجہ سے زبردستی روکنا چاہا ہے اور انہیں وجوہ سے اُن کے فرضی خداؤں پر کمزوری اور ناپاکی اور بناوٹ اور بے جا غضب اور بیجا حکومت کے طرح طرح کے داغ لگ گئے ہیں لیکن اسلام نے خدا تعالیٰ کی صفات کاملہ کی تیز رو دھاروں کو کہیں نہیں روکا وہ آریوں کی طرح اس عقیدہ کی تعلیم نہیں دیتا۔ کہ زمین و آسمان کی روحیں اور ذرات اجسام اپنے اپنے وجود کے آپ ہی خدا ہیں اور جس کا پرمیشر نام ہے۔ وہ کسی نامعلوم سبب سے محض ایک راجہ کے طور پر ان پر حکمران ہے اور نہ عیسائی مذہب کی طرح یہ سکھلاتا ہے کہ خدا نے ایک انسان کی طرح ایک عورت کے پیٹ سے جنم لیا اور نہ صرف نو مہینہ تک خون حیض کھا کر ایک گنہ گار جسم سے جو بنت سبع اور تمر اور راحاب جیسی حرام کار عورتوں کے خمیر سے اپنی فطرت میں ابنیت کا حصہ رکھتا تھا۔ خون اور ہڈی اور گوشت کو حاصل کیا بلکہ بچپن کے زمانہ میں جو جو بیماریوں کی صعوبتیں ہیں جیسے خسرہ چیچک دانتوں کی تکالیف وغیرہ تکلیفیں وہ سب اٹھائیں۔ اور بہت سا حصہ عمر کا معمولی انسانوں کی طرح کھو کر آخر موت کے قریب پہنچ کر خدائی یاد آ گئی۔ مگر چونکہ صرف دعویٰ ہی دعویٰ تھا اور خدائی طاقتیں ساتھ نہیں تھیں۔ اس لئے دعویٰ کے ساتھ ہی پکڑا گیا۔ بلکہ ان سب نقصانوں اور ناپاک حالتوں سے خدائے حقیقی ذوالجلال کو منزّہ اور پاک سمجھتا ہے۔ اور اس وحشیانہ غضب سے بھی اس کی ذات کو برتر قرار دیتا ہے کہ جب تک کسی کے گلے میں پھانسی کا رسّہ نہ ڈالے تب تک اپنے بندوں کے بخشنے کے لئے کوئی سبیل اس کو یاد نہ آوے۔ اور خدا تعالیٰ کے وجود اور

صفات کے بارے میں قرآن کریم یہ سچی اور پاک اور کامل معرفت سکھاتا ہے
کہ اس کی قدرت اور رحمت اور عظمت اور تقدس بے انتہا ہے۔ اور یہ کہنا
قرآنی تعلیم کے رُو سے سخت مکروہ گناہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی قدرتیں اور عظمتیں
اور رحمتیں ایک حد پر جا کر ٹھہر جاتی ہیں یا کسی موقعہ پر پہنچ کر اس کا ضعف
اُس کو لاحق ہو جاتا ہے بلکہ اس کی تمام قدرتیں اس مستحکم قاعدہ پر چل رہی ہیں۔ کہ
باستثناء ان امور کے جو اس کے تقدس اور کمال اور صفات کاملہ کے مخالف
ہیں یا اس کے مواعید غیر متبدلہ کے منافی ہیں باقی جو چاہتا ہے کر سکتا
ہے۔ مثلاً یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنی قدرت کاملہ سے اپنے تئیں ہلاک کر
سکتا ہے کیونکہ یہ بات اس کی صفت قدیم حی و قیوم ہونے کے
مخالف ہے وجہ یہ کہ وہ پہلے ہی اپنے فعل اور قول میں ظاہر کر چکا ہے
کہ وہ ازلی ابدی اور غیر فانی ہے اور موت اس پر جائز نہیں ایسا ہی یہ بھی نہیں
کہہ سکتے کہ وہ کسی عورت کے رحم میں داخل ہوتا اور خون حیض کھاتا اور قریباً نو ماہ
پورے کر کے سیر ڈیڑھ سیر کے وزن پر عورتوں کی پیشاب گاہ سے روتا چلاتا
پیدا ہو جاتا ہے۔ اور روٹی کھاتا اور پاخانہ جاتا اور پیشاب کرتا اور تمام دُکھ
اس فانی زندگی کے اٹھاتا ہے اور آخر چند ساعت جان کندنی کا عذاب
اُٹھا کر اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمام امور نقصان اور
منقصت میں داخل ہیں۔ اور اس کے جلال قدیم اور کمال تام کے
برخلاف ہیں۔

پھر یہ بھی جاننا چاہیئے کہ چونکہ اسلامی عقیدہ میں درحقیقت خدا تعالیٰ
تمام مخلوقات کا پیدا کرنے والا ہی ہے۔ اور کیا ارواح اور کیا اجسام سب
اسی کے پیدا کردہ ہیں اور اسی کی قدرت سے ظہور پذیر ہوئے ہیں لہٰذا قرآنی

عقیدہ یہ بھی ہے کہ جیسا کہ خدا تعالیٰ ہر ایک چیز کا خالق اور پیدا کنندہ ہے۔
اسی طرح وہ ہر ایک چیز کا واقعی اور حقیقی طور پر قیوم بھی ہے یعنی ہر ایک
چیز کا اسی کے وجود کے ساتھ بقا ہے۔ اور اس کا وجود ہر یک چیز کے لئے
بمنزلہ جان ہے اور اگر اس کا عدم فرض کر لیں تو ساتھ ہی ہر یک چیز کا عدم
ہو گا۔ غرض ہر یک وجود کے بقا اور قیام کے لئے اس کی معیت لازم ہے
لیکن آریوں اور عیسائیوں کا یہ اعتقاد نہیں ہے۔ آریوں کا اس لئے کہ وہ خدا
تعالیٰ کو ارواح اور اجسام کا خالق نہیں جانتے۔ اور ہر یک چیز سے ایسا تعلق
اس کا نہیں مانتے جس سے ثابت ہو کہ ہر یک چیز اسی کی قدرت اور ارادہ
کا نتیجہ ہے اور اس کی مشیت کے لئے بطور سایہ کے ہے بلکہ ہر یک چیز کا
وجود ایسے طور سے مستقل خیال کرتے ہیں جس سے سمجھا جاتا ہے کہ ان کے
زعم میں تمام چیزیں اپنے وجود میں مستقل طور پر قدیم اور انادی ہیں پس جبکہ یہ
تمام موجود چیزیں ان کے خیال میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے نکل کر قدرت کے
ساتھ قائم نہیں تو بلاشبہ یہ سب چیزیں ہندوؤں کے پرمیشر سے ایسی بے تعلق
ہیں کہ اگر ان کے پرمیشر کا مرنا بھی فرض کر لیں تب بھی روحوں اور جسموں کا کچھ
بھی حرج نہیں کیونکہ ان کا پرمیشر صرف معمار کی طرح ہے اور جس طرح اینٹ
اور گارہ معمار کی ذاتی قدرت کے ساتھ قائم نہیں تا ہر یک حال میں اس کے
وجود کا تابع ہو یہی حال ہندوؤں کے پرمیشر کی چیزوں کا ہے سو جیسا کہ معمار
کے مر جانے سے ضروری نہیں ہوتا کہ جس قدر اس نے اپنی عمر میں عمارتیں
بنائی ہوں وہ ساتھ ہی گر جائیں ایسا ہی یہ بھی ضرور نہیں کہ ہندوؤں کے
پرمیشر کے مر جانے سے کچھ بھی صدمہ دوسری چیزوں کو پہنچے کیونکہ وہ ان کا قیوم*

* جو چیز قدرت کے سہارے سے پیدا نہیں ہوئی وہ اپنے بقا میں بھی قدرت کے سہارے کی محتاج نہیں۔

نہیں۔ اگر قیوم ہوتا تو ضرور ان کا خالق بھی ہوتا کیونکہ جو چیزیں پیدا ہونے میں خدا کی قوت کی محتاج نہیں وہ قائم رہنے میں بھی اس کی قوت کے سہارے کی حاجت نہیں رکھتیں اور عیسائیوں کے اعتقاد کی رو سے بھی ان کا مجسم خدا قیوم الاشیا نہیں ہو سکتا کیونکہ قیوم ہونے کے لئے معیت ضروری ہے۔ اور ظاہر ہے کہ عیسائیوں کا خدا یسوع اب زمین پر نہیں کیونکہ اگر زمین پر ہوتا۔ تو ضرور لوگوں کو نظر آتا جیسا کہ اس زمانہ میں نظر آتا تھا جبکہ پلاطوس کے عہد میں اس کے ملک میں موجود تھا پس جبکہ وہ زمین پر موجود نہیں تو زمین کے لوگوں کا قیوم کیونکر ہو۔ رہا آسمان سو وہ آسمانوں کا بھی قیوم نہیں۔ کیونکہ اس کا جسم تو صرف چھ سات بالشت کے قریب ہوگا پھر وہ سارے آسمانوں پر کیونکر موجود ہو سکتا ہے تا ان کا قیوم ہو۔ لیکن ہم لوگ جو خدا تعالیٰ کو رب العرش کہتے ہیں تو اس سے یہ مطلب نہیں کہ وہ جسمانی اور جسم ہے اور عرش کا محتاج ہے بلکہ عرش سے مراد وہ مقدس بلندی کی جگہ ہے جو اس جہان اور آنے والے جہان سے برابر نسبت رکھتی ہے اور خدا تعالیٰ کو عرش پر کہنا درحقیقت ان معنوں سے مرادف ہے کہ وہ مالک الکونین ہے اور جیسا کہ ایک شخص اونچی جگہ بیٹھ کر یا کسی نہایت اونچے محل پر چڑھ کر یمین و یسار نظر رکھتا ہے۔ ایسا ہی استعارہ کے طور پر خدا تعالیٰ بلند سے بلند تخت پر تسلیم کیا گیا ہے جس کی نظر سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں نہ اس عالم کی اور نہ اس دوسرے عالم کی ہاں اس مقام کو عام سمجھوں کے لئے اوپر کی طرف بیان کیا جاتا ہے۔ کیونکہ جبکہ خدا تعالیٰ حقیقت میں سب سے اوپر ہے اور ہر یک چیز اس کے پیروں پر گری ہوئی ہے۔ تو اوپر کی طرف سے اس کی ذات کو مناسبت ہے مگر اوپر کی طرف وہی ہے جس کے نیچے دونوں عالم واقع ہیں اور وہ ایک

انتہائی نقطہ کی طرح ہے جس کے نیچے سے دو عظیم الشان عالم کی دو شاخیں نکلتی ہیں اور ہریک شاخ ہزارہا عالم پر مشتمل ہے جن کا علم بجز اُس ذات کے کسی کو نہیں جو اُس نقطہ انتہائی پر مستوی ہے جس کا نام عرش ہے۔ اس لئے ظاہری طور پر بھی وہ اعلیٰ سے اعلیٰ بلندی جو اوپر کی سمت میں اس انتہائی نقطہ میں متصور ہو جو دونوں عالم کے اوپر ہے۔ وہی عرش کے نام سے عند الشرع موسوم ہے اور یہ بلندی باعتبار جامعیت ذات باری کی ہے تا اس بات کی طرف اشارہ ہو کہ وہ مبدء ہے ہریک فیض کا اور مرجع ہے ہریک چیز کا اور مسجود ہے ہریک مخلوق کا اور سب سے اونچا ہے اپنی ذات میں اور صفات میں اور کمالات میں۔ ورنہ قرآن فرماتا ہے کہ وہ ہریک جگہ ہے جیسا کہ فرمایا اینما تولوا فثم وجہ اللہ[1] جدھر منہ پھیرو اُدھر ہی خدا کا منہ ہے اور فرماتا ہے ھو معکم اینما کنتم[2] یعنی جہاں تم ہو وہ تمہارے ساتھ ہے اور فرماتا ہے نحن اقرب الیہ من حبل الورید[3] یعنی ہم انسان سے اس کی رگ جان سے بھی زیادہ نزدیک ہیں۔ یہ تینوں تعلیموں کا نمونہ ہے۔ والسّلام علٰی من اتبع الھدٰی

تمّت

[1] البقرۃ : ۱۱۶ [2] الحدید : ۵ ۳۴۷ [3] ق : ۱۷